ردو قبولِ روایت کے معیارات: امین احسن اصلاحی کا زاویہ نظر

(Criterion of *Ḥadīth* Criticism: Stand of *Amīn Aḥsan Iṣlāḥī*)

*حافظ محمد عمران

**ڈاکٹر محمد کلیم اللہ خان

Abstract

Criterion of acceptance or rejection of a tradition is an important subject in *ḥadīth* sciences. Many principles have been established in this regard. Pakistani scholar *Amīn Aḥsan Iṣlāḥī* has also described his viewpoint and set some standards of receiving or refuting a particular tradition. This article studies these standards in the light of his *"Mubādī-e-Tabbur-e-Ḥadīth"*. It finds that *Iṣlāḥi* has established six principles. According to these principles every *ḥadīth* is subject to criticism; no *ḥadiṭh* contrary to reason, Quran and established prophetic *Sunnah* is acceptable.

Key words: *Hadīth*, Criticism, *Amīn Aḥsan Iṣlāhī*

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کی حجیت اور روایت پر تنقید کے معیارات کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ان کے معیارات علما کے قائم کردہ عمومی معیارات سے مختلف ہیں۔ ان کے خیال میں ہر حدیث قابل تحقیق ہے۔انھوں نے اپنی تالیف "مبادی تدبر حدیث" میں اس پہلو پر اپنا نقطہ نظر تفصیل سے پیش کیا ہے۔ زیرِ نظر تناظر میں مولانا اصلاحی نے اصول حدیث کے معروف ماہر خطیب بغدادی کے نقطہ نظر کو بنیاد بنایا ہے۔ خطیب بغدادیؒ کے متعلق ان روایات کے بارے میں جن کا حق اور لائق قبول ہونا واضح ہے لکھا ہے کہ پہلے درجے میں صاحب الکفایہ ان روایات کو رکھتے ہیں، جو مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہوں: 1۔ عقل جن کی صحت کی گواہی دیتی ہو۔ (مما تدل العقول علی موجبه) اور جن کو عام عقل (Common Sense) قبول کرتی ہے۔؛ 2۔ جن کا تقاضا نصوص قرآن یا نصوص سنت کرتے ہوں۔ 3۔ جن کو امت نے قبول کیا ہو۔ یہ بات یہاں واضح طور پر ذہن نشین رہنی چاہیے

*پی ایچ ڈی سکالرز، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یو ایم ٹی، سیالکوٹ کیمپس

کہ امت کی قبولیت سے یہاں مراد امت کے اس گروہ کی قبولیت ہے، جو بدعات اور تقلید جامد کے مرض سے پاک رہا ہو۔[1] آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن ثوبانؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم کذالک ۔[2]

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ جو کوئی ان کو چھوڑنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

درایت حدیث کے بارے میں صحابہ کرامؓ وائمہ حدیثؒ کا طرز عمل

ان تمام کوششوں کے باوجود جو راوی کی حالت کو جاننے کے لئے کی گئیں، ممکن ہے کہ ایک روایت سند کے معیاروں پر پوری اترتی ہو اور کہیں کوئی ضعف اور کمزوری نہ ہو مگر غلط بیانی سے احتیاط کے باوجود اس بات کا پورا احتمال ہے کہ نبی ﷺ سے حدیث سننے، مفہوم کو سمجھنے یا موقع محل کو متعین کر دینے میں کسی صحابیؓ کو غلط فہمی ہو گئی ہو، چنانچہ صحت سند کے باوجود متن کی پرکھ کی بنیاد پر حدیث کو علمانے رد کیا ہے۔ مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

لم یکفل علماء عند نقد الحدیث من حیث سندہ بل تعدو الی النظر فی متنه فقضوء علی کثیر من الحدیث با لوضع وان کان سندا سالما اذا وجد و فی متونھا عللا تقضی بعدم قبولھا ۔[3]

ابن دقیق العید کہتے ہیں:

کثیرا ما یحکمون بذالک ای بالوضع باعتبار امور ترجع الی المروی والفاظ الحدیث۔[4]

علم درایت کی تعریف

سند کی تحقیق کے ساتھ ساتھ متن کی پرکھ کے لیے باقاعدہ علم درایت کی تدوین ہوئی۔ علم درایت اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی حدیث یا روایت کے متن کی صحت کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اہل علم نے سند کے ساتھ ساتھ متن کی جانچ پرکھ کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ مثلاً ابن الصلاح لکھتے ہیں:

---

[1] امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث (لاہور: فاران فاؤنڈیشن 1988ء)، 22۔

[2] مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب 53۔

[3] مولانا تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار (کراچی: قدیمی کتب خانہ)، 180۔

[4] محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث (الریاض: دار المناہج)، 1/ 113۔

کسی صاحب حدیث کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بغیر غور و فکر کے صرف حدیث کے سماع اور لکھنے پر ہی اکتفا کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ بے فائدہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے گا اور اہل الحدیث کے زمرے میں شامل نہ ہو گا، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک نقال، عیب دار اور طفیلی سے زیادہ نہ ہو گی۔[5]

اس اصول کی بنیاد در حقیقت قرآن مجید نے رکھی ہے۔ حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو بخاری و مسلم شریف کے مطابق حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ جیسے مخلص صحابی بھی قاذفین کے ہمنوا بن گئے۔ جب اللہ نے حضرت عائشہؓ کی براءت و طہارت کی آیات نازل فرمائیں تو ساتھ ہی مسلمانوں کو " لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُبِينٌ "[6] کے الفاظ سے تنبیہ بھی فرمائی۔ حالانکہ اصول روایت کا تقاضا تو یہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کئے جاتے اور تحقیق کی جاتی کہ یہ راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، پھر ان کی شہادت دی جاتی۔ لیکن اللہ نے اس آیت میں یہ حکم دیا کہ تم نے بات سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بہتان عظیم ہے، یعنی یہ بات اس لائق ہی نہیں کہ اسے تسلیم کیا جائے۔ اس سے یہ بات قطعاً ثابت ہوتی ہے کہ اس قسم کی خلاف عقل و قیاس جو بات کی جائے، قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے۔ اس کے راویوں کی ثقاہت متن کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔

فن درایت کی تاریخی حیثیت

فن روایت کی طرح فن درایت کے اس طرز فکر کی ابتدا بھی عہد صحابہؓ میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے جب نبی کریم ﷺ سے یہ بات منسوب کی کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔[7]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ کو ضعیف الروایہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت، درایت کے خلاف تھی، اس لئے انھوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو گی۔

انھی بنیادوں پر محدثین نے بھی تحقیقِ حدیث میں داخلی نقد سے کام لیا ہے۔ ذیل میں وہ چند احادیث دی جاتی ہیں جنھیں درایتاً رد کیا گیا ہے:

عمرو بن میمون کے اس بیان پر کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک زانی بندر کو بندروں کے ہاتھوں سنگسار ہوتے دیکھا تو میں نے خود بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے نکیر کرتے ہوئے کہا: **فيها اجافة الزنا الى غير**

---

[5] ابن الصلاح، معرفۃ انواع علوم الحدیث (بیروت: دار الفکر المعاصر)، 126۔

[6] النور24: 16۔

[7] ابو عیسیٰ محمد الترمذی، السنن الترمذی، ابواب الطھارہ، باب الوضو، مما غیرت النار، 71/1۔

مكلف واقامت الحد على البهائم وهذا منكر عند اہل العلم [8] حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی حدیث : **خلق الله آدم و طوله ستون ذراعا** کو اس بنیاد پر رد کیا کہ قوم ثمود کے مسکنوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد حد سے زیادہ بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق کا تقاضا ہے۔ [9]

صحیح مسلم کے راوی سوید بن سعید کی روایت : من عشق وكنتم وعف فمات فهو شهيد کے بارے میں حافظ ابن قیم نے لکھا ہے : **ولو كان اسناد هذا الحديث لا لشمس كان غلطاً و هما۔** [10] امام ترمذی جیسے محدث بھی فن درایت میں فقہا کی مہارت اور تفقہ کے باعث ان کے فہم حدیث کو معتبر قرار دیتے ہیں :

"وكذالک قال الفقها وهم اعلم بمعاني الحديث " [11]

اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پہلے محدثین کرام بخاری و مسلم تک کی ان روایات پر جرح کرتے رہے، جو ان کی نظر میں خلاف عقل یا اصول شرعیہ کے خلاف تھی۔ان حضرات میں سے کوئی اس کا قائل نہ تھا کہ بخاری و مسلم یا صحاح ستہ کی ہر روایت پر ایمان لانا ضروریات دین میں داخل اور ان پر شبہ کرنا گناہ عظیم ہے۔ساتھ یہ بات بھی واضح ہوئی کہ سند کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت بھی صحیح ہو بعض اوقات سند معتبر ہوتی ہے، لیکن دیگر وجوہات کے باعث روایت غلط ہوتی ہے۔

اسی بنیاد پر موجودہ دور میں مولانا مودودی نے بخاری و مسلم میں منقول حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت پر اپنا اشکال وارد کیا ہے جس کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے اپنی ستر بیویوں کے پاس ایک ہی رات جانے کی قسم کھائی تھی۔اس تفصیلی روایت پر تجزیہ کرتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں :

> جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور روایت کے اعتبار سے اس کی صحت میں کلام ممکن نہیں، لیکن حدیث کا مضمون واضح طور پر خلافِ عقل ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس روایت کو آپ ﷺ نے ہر گز اس انداز میں بیان نہ فرمائی ہو گی، جس طرح وہ منقول ہوئی ہے۔بلکہ آپ ﷺ نے تو غالباً یہود کی ایہام گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی موقع محل میں اس کو بطور مثال پیش کیا ہو گا اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی کہ اس بات کو آپ ﷺ خود بطور

---

[8] ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، باب القسامة فی الجاہلیہ (دار لنشر الکتب الاسلامیہ)، 7/ 156۔

[9] العسقلانی، فتح الباری، 6/ 367۔

[10] ابن قیم، المنار المنیف (المکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، 1390ھ)، 63۔

[11] الترمذی، السنن الترمذی، باب وصل المیت، 1/118۔

> واقعہ بیان فرمار ہے ہیں۔ایسی روایات کو صرف صحت سند کے زور پر لوگوں کو مجبور کرنا دین کی تضحیک کرنا ہے۔[12]

عقل و درایت کی وجوہ پر کسی روایت و سند کے اعتبار سے صحیح حدیث کو رد کرنے کے معاملے میں مولانا اصلاحی منفرد نہیں ہیں۔ماضی کے اسلاف کی طرح ان کے زمانے کے علمانے بھی درایت حدیث کے اصول کو اپنایا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> تحقیق و واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ یہ اصول بھی در حقیقت قرآن مجید نے ہی قائم کر دیا تھا۔حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح خبر مشہور ہوئی کہ بعض صحابہؓ مغالطہ میں آگئے۔عام اصول کی بناپر اس خبر کی جانچ پڑتال کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام معلوم کئے جاتے اور پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں، پھر ان کی شہادت لی جاتی۔لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ آپ نے کیوں نہیں کہا کہ یہ بہتان ہے۔اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے تو قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے۔اس طرز تحقیق کی عینی درایت کی ابتدا خود صحابہ کرامؓ کے دور میں وجود میں آچکی تھی۔[13]

مولانا مودودی قرآن کریم کے ظاہری متعارض روایت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> کوئی روایت خواہ اس کی روایت آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو،ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو۔قرآن اور قرآن کے الفاظ یا سیاق و سباق، ترتیب، ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو۔[14]

حدیث کی پرکھ کے لئے مولانا اصلاحی نے چھے کسوٹیاں بیان کی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس سے متعلق ان کی بحث زیادہ تر خطیب بغدادی کے بیان کردہ اصولوں سے لی گئی ہے۔

پہلی کسوٹی: ذوقِ حدیث

مولانا کے مطابق پہلی کسوٹی یہ ہے کہ کوئی روایت جس کو اہل ایمان اور اصحاب معرفت کا ذوق قبول کرنے سے ابا کرتا ہے، تو وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی۔[15]

---

[12] مودودی، تفہیم القرآن، 337/4۔

[13] مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، (دار المصنّفین)، 1/ 66، 67۔

[14] مودودی، تفہیم القرآن، 3/ 243۔

[15] اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، 58۔

اس بارے مولانا کے مطابق کسی حدیث کے قولِ رسول ﷺ ہونے کا دار و مدار اس کی سند سے بیشتر اس کے معنی و مفہوم پر ہے، جس کا فیصلہ وہ لوگ کر سکتے ہیں جو آپ ﷺ کے کلام کا ذوق اور اس کی پہچان کی استعداد رکھتے ہیں۔ اگر ایسا شخص جو کہ آپ ﷺ سے قربت نہ بھی رکھتا ہو، لیکن اس کو آپ ﷺ کے کلام کا پورا فہم ہو تو مولانا کے نزدیک اس کا ذوق معتبر ہونا چاہیے۔[16]

مولانا اصلاحی اس کام کو اصحاب معرفت کے ذوق پر منحصر قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> کسی حدیث کے قول رسول ﷺ ہونے کا انحصار اس کی سند سے زیادہ اس کے معنی و مفہوم پر ہے جس کا فیصلہ وہ لوگ کر سکتے ہیں جو رسول ﷺ کے کلام کا ذوق اور اس کی پہچان رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ کلام کو سنتے ہی اپنے دل و دماغ پر اس کے اثر سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ کلام اللہ کے رسول ﷺ کا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ذوق ہر شخص کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ لوگ اس ذوق کے حامل ہوتے ہیں جن کی فطرت سلیم اور مذاق نہایت اعلیٰ ہو، جن کا ذہن سفاہت سے دور ہو اور جنھوں نے رسول ﷺ کی صحبت سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا ہو۔[17]

ہر دور میں علما و فقہا نے بھی حدیث کی تحقیق کے لئے ذوقی پیمانہ اختیار کیا اور اس کی بنیاد مسند احمد کی درج ذیل حدیث پر رکھی گئی۔

> **اذ سمعتم الحديث تعرفه قلوبكم وتلين له اشعاركم وابشاركم وترون انه منكم قريب فانا اولا كم به واذا سمعتم الحديث عنى تنكره قلوبكم وتنفر منه اشعاركم وابشاركم وترون انه منكم بعيد فانا ابعدكم منه ـ**[18]

دیگر محدثین کے نزدیک حدیث کی ایک قسم معلل ہے اور اس سے مراد وہ حدیث ہے، جس میں کسی علت کی وجہ سے اس کی صحت مجروح ہو جائے۔ حالانکہ بظاہر اس میں کوئی خرابی معلوم نہ ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ جو انفرادی ذوق حدیث رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

> بلا شبہ فن روایت کی نسبت سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود ہی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ قول رسول اللہ ﷺ کا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے

---

[16] اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، 60،61۔

[17] مبادی تدبر حدیث، 61،60۔

[18] امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، (مصر: مؤسسۃ قرطبہ) 4/ 5۔

اسرار کے استقرا سے ایسا ذوق مل سکتا ہے جس سے یہ واضح ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہو گا یا نہیں۔[19]

اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

جس شخص نے بھی کثرت کے ساتھ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایت کو دیکھ کر خود بخود اس کی عقل بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا فعل میرے آقا ﷺ کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنت نبوی ﷺ کے قریب ہے۔[20]

محدثین کرام نے عقل کو چار موقعوں پر استعمال کیا ہے۔جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ سماع حدیث کے موقع پر۔

2۔حدیث کو بیان کرتے ہوئے۔

3۔راویوں پر حکم لگاتے ہوئے۔

4۔احادیث پر حکم لگاتے ہوئے۔[21]

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کا معیار بہت باریک بینی اور شدت احتیاط پر مبنی ہے، وہ حدیث قبول کرنے کے لئے پہلے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں اور اگر اس میں کوئی ضعیف راوی نظر آجائے تو سند رد کر دیتے ہیں اگرچہ کہ متن صحیح ہو ،اس لئے ان کے نزدیک متن اور سند کا صحیح ہونا ضروری ہے۔صرف ایک کا صحیح ہونا حدیث کا قبول کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس طرح بعض لوگوں نے سند کو کافی سمجھنے میں افراط سے کام لیا۔اسی طرح مولانا اصلاحی کا سند کو نظر انداز کرنا بھی ایک دوسری تفریط ہو سکتی ہے۔احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ذوق کے اعتبار سے یہ تو مناسب ہے کہ صحیح السند روایت کو درایتی اصولوں پر پرکھنے کے بعد لیا جائے، لیکن صرف ذوق و شوق کی بنیاد پر منقطع اور مرسل احادیث کا لینا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں سوائے یہ کہ وہ کسی صحیح روایت کی تائید میں لائی جائے۔

دوسری کسوٹی: عملِ معروف

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کے صحیح اور غلط کے فرق کے لئے دوسری کسوٹی عمل معروف کو بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا حکم آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ملتا ہے:

---

[19] مولانا شبلی نعمانی، سیرت النعمان، (دار المصنفین)،201۔

[20] سید ابوالاعلی مودودی، تفہیمات، 1/ 362۔

[21] انوار الکاشفہ، 6، 7۔بحوالہ: ڈاکٹر خالد علوی، اصول الحدیث۔

"عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه قال :قال رسول الله ﷺ ما حدثتم عنیٰ مما تعرفونه فخذوه وما حدثتم عنیٰ مما تعرفونه فخذوه وما حدثتم عنی مما تعرفونه فخذوه وما حدثتم عنی مما تنکرونه فلا تا خذو به قال فانی لا اقول المنکر ولست من اهله۔"[22]

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے منسوب کرکے کوئی روایت اس معروف کے مطابق کی جائے جس سے تم ناواقف ہو تو اس کو قبول کرلو اور اگر مجھ سے منسوب کرکے کوئی ایسی روایت کی جائے جس کو تم منکر محسوس کرو تو اس کو نہ قبول کرو۔آپ ﷺ نے فرمایا نہ میں منکر کہتا ہوں اور نہ میں منکر کہنے والوں میں سے ہوں۔

مولانا اصلاحی کے نزدیک مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر روایت آپ کی معروفات کے مطابق ہو تو اس کو قبول کرو اور اگر اس سے ہٹ کر ہو تو اس کو رد کرو۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے دین کو غیر مطلوب ملاوٹ سے پاک رکھنے کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کوئی نئی چیز آپ کے سامنے دین کے نام سے لائی جائے تو جو دین کا پاکیزہ ذخیرہ تمھارے پاس پہلے سے موجود ہے اس سے اس کا موازنہ کرو۔ اگر یہ نئی چیز اس سے صورۃً اور معناً اس سے ملتی ہے، تو اس کو قبول کرلو۔ اگر اس سے مطابقت نہیں رکھتی تو اس کو رد کردو۔ ساتھ ہی آپ نے اپنا مزاج بھی بتا دیا کہ نہ میں منکر باتیں کہتا ہوں یعنی میری نسبت یہ فرض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ میں اچھی باتیں کہتے کہتے (العیاذ باللہ) خرافات سے بھی آلودہ ہو جاتا ہوں۔[23]

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ عمل معروف کی کسوٹی اگر صحیح طریقے سے لائی گئی ہو تو غلط حدیث بھی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتی۔آپ کو واضح معلوم ہو جائے گا کہ یہ قرآن کے کلیے کے بالکل خلاف ہے، یہ سنت الہی کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سنت رسول ﷺ اور عملی تواتر کے بھی بالکل خلاف ہے، اسی بنا پر اس کو منکرات میں ڈال دینا چاہیے۔[24]

تیسری کسوٹی: قرآنِ مجید

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کے صحیح اور غلط کے فرق کے لئے تیسری کسوٹی قرآن مجید کو قرار دیتے ہیں۔جس کے خلاف کوئی چیز قبول نہیں کی جا سکتی۔اس باب میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[22] خطیب احمد بن علی بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، (المدینۃ المنورۃ: دار العلمیہ، 1988)، 430۔

[23] مبادی تدبر حدیث، 65۔

[24] مبادی تدبر حدیث، 67۔

عن ابی هریرهؓ عن النبی ﷺ انه قال سیئاتکم عنی احادیث مختلفه فما جا ئکم موافقا لکتاب الله وسنتی فهو منیٰ وماجاء کم مخالفا لکتاب الله وسنتی فلیس منی -[25]

حضرت ابو ہریرہؓ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب تمھارے سامنے مجھ سے منسوب ایسی روایتیں آئیں گی جو باہم تناقض ہوں گی، جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہوں وہ تو مجھ سے ہیں اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہوں وہ مجھ سے نہیں ہیں۔

محدثین اور فقہا نے قرآنی مضامین سے متعارض احادیث کو بھی رد کیا۔ جیسا کہ امام مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سینچر کے دن، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدمؑ کو مخلوق میں سے آخر میں جمعہ کے دن عصر اور رات کے درمیان پیدا فرمایا۔اس روایت کو محدثین نے اس لئے موضوع قرار دیا کہ یہ قرآن کی آیت خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ"[26] کے صریحاً برعکس ہے اس لئے کہ ایک تو اس روایت میں پیدائش کی مدت قرآن کے برعکس سات دن بیان کی گئی ہے اور دوسرا اس روایت میں آسمان کی پیدائش کا تذکرہ ہی نہیں، جب کہ قرآن میں زمین اور اس کی چیزوں کے چار دن میں اور آسمانوں کے دو دن میں پیدا کئے جانے کا ذکر موجود ہے۔[27]

چوتھی کسوٹی: سنتِ معلومہ

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کے صحیح اور غلط کے فرق کے لئے چوتھی کسوٹی سنت معلومہ کو گردانتے ہیں۔ان کے نزدیک حدیث کی روشنی میں سنت کا جو ذخیرہ امت کی تحویل میں ہے، وہ خود بھی ایک کسوٹی ہے۔ کوئی بھی چیز جو سنت معلومہ سے بے گانہ یا متصادم ہو گی وہ قبول نہیں کی جائے گی کہ سنت عملی تواتر سے ثابت ہے۔ان پر اخبار احاد اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے، لیکن کسی چیز میں شکل و صورت کا کچھ اختلاف اور چیز ہے اور کسی چیز کا اس کے مخالف ہونا اور چیز ہے۔سنت عملی تواتر سے ثابت ہے، اس وجہ سے اس کے رد و قبول کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا البتہ اخبار احاد کے متعلق علما نے تصریح کی ہے۔[28]

---

[25] خطیب احمد علی بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، (المدینۃ المنورہ: دار العلمیہ)، 430۔

[26] ق 38:50۔

[27] حم السجدہ، 41، 9۔

[28] مبادی تدبر حدیث، 70۔

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ "**الفعل الجاری مجری السنة**" سے صاحب الکفایہ کی مراد غالباً وہی چیز ہے جس کو مالکیہ **العمل عندنا هكذا** سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کسی باب میں کوئی عمل معروف کی حیثیت سے چلا آرہا ہے تو اس طرح کے عمل کو مالکیہ سنت ہی کے درجہ میں رکھتے ہیں اس لئے کہ جو عمل پوری جماعت میں چلا آرہا ہے اس کے متعلق دستور یہی ہے کہ اس کو آپ ﷺ کی منظوری حاصل ہے۔ اس وجہ سے مالکیہ اہلِ مدینہ کی سنت کے خلاف جس طرح دوسری سنت کو قبول نہیں کرتے، خبر واحد کے مقابل میں زیادہ قابل اطمینان خیال کرتے ہیں۔ یہی حال حنفیہّ کا بھی ہے، عموم بلویٰ کی صورت میں ان کے نزدیک اجتہاد خبر واحد سے زیادہ قرین احتیاط ہے۔ اس لئے کہ ایک اجتہادی غلطی کی اصلاح تو ممکن ہے، لیکن کسی روایت کو قول رسول اللہ ﷺ، غلط طور پر مان لینے کے بعد اس کا انکار چنداں آسان نہیں رہ جاتا۔[29]

پانچویں کسوٹی: عقلِ کلی

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کے صحیح اور غلط کے فرق کے لئے پانچویں کسوٹی عقل کلی کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق منافی عقل روایت قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بنیاد اکثر عقل و فطرت پر ہی موقوف ہے۔ عقل و فطرت کے مقتضیات و مطالبات کو قرآن و سنت میں ظاہر کیا گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عقل و فطرت ہی کے حوالے سے لوگوں پر حجت قائم کی ہے اور ان لوگوں کو عقل کا دشمن قرار دیا ہے، جنھوں نے نفس کی پیروی میں دین فطرت کی مخالفت کی۔ کوئی ایسی روایت قبول کی جائے جو دین کی اصل بنیاد ہی کی نفی کرنے والی ہو۔ مولانا اس امر کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ یہاں زیر بحث افراد کی عقل نہیں بلکہ عقل کلی ہے۔[30]

علامہ ابن جوزی کے مطابق جو روایت عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہو اس کی روایت پر جرح و تعدیل کی بھی ضرورت نہیں وہ روایت قطعاً نا قابل اعتبار ہے۔[31]

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ عقل کی معینہ حد تو مقرر نہیں کی جا سکتی۔ درایتی معیار بیان کرنا تو آسان ہے، مگر اس کو حدیث کی تخریج و تحقیق میں بنیاد بنانا اتنا ہی مشکل ہے۔ اگر ہر صاحب علم کو درایتی اصول دے دیے جائیں، تو وہ صحیح حدیث کے بیشتر ذخیرے کو نا معتبر قرار دے دے گا۔ کیونکہ اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق کوئی نہ کوئی روایت کسی معیار پر پوری نہیں اترے گی۔ حدیث کی قبولیت کے لئے مولانا اصلاحی نے یہ کہا کہ عقل جن کی صحت کی گواہی دیتی ہو، اس کی تائید میں انھوں نے خطیب بغدادی کے الفاظ "**مما تعدل العقول على موجبه**" کو پیش کیا۔ البتہ اس کے ساتھ یہ

---

[29] مبادی تدبر حدیث، 71۔

[30] مبادی تدبر حدیث، 72۔

[31] محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث (الریاض: دار المناہج)، 114/1۔

کہنا کہ جن کو عام عقل قبول کرتی ہو، محل نظر ہوگا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر اپنی کتاب" **انتباہات المفیدہ فی حل مسائل الجدیدہ**" میں کافی بحث کی ہے۔ وہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

> کسی چیز کا سمجھ نہ آنا دلیل اس کے باطل ہونے کی نہیں، باطل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل سے اس کا نہ ہونا سمجھ میں آجائے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں امور میں یعنی ایک یہ کہ اس کا ہونا سمجھ میں نہ آئے اور ایک یہ کہ اس کا نہ ہونا معلوم ہو جائے، بہت بڑا فرق ہے۔ پہلے کا حاصل یہ ہے کہ بوجہ عدم مشاہدہ اس چیز کے اسباب یا کیفیات کا ذہن کو احاطہ نہیں ہوا، اس لئے ان اسباب یا کیفیات کی تعین میں تردد واقع ہے۔ مگر بجز اس کے کہ یہ کہے کہ یہ کیونکر ہوگا وہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی نفی پر کوئی دلیل صحیح قائم کرسکے، چاہے وہ عقلی ہو یا نقلی کی گئی ہو۔ دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ عقل اس کی نفی پر عقلی دلیل قائم کرسکے۔[32]

چھٹی کسوٹی: دلیلِ قطعی

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث کے صحیح اور غلط کے فرق کے لئے چھٹی کسوٹی دلیل قطعی کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک خطیب بغدادی بھی اس اصول کو مانتے ہیں اور پیش کرتے ہیں کہ دلیل قطعی کے منافی خبر واحد قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ ان کا قول ہے:

> **ولا یقبل خبراً الواحد فی منافا ةحکم العقل و حکم القرآن ،الثابت المحکم والسنةالمعلومه والفعل الجاری مجری السنةوکل دلیل مکتوبه**[33]

مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ گمان صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے والی بات، اگرچہ اس کی نسبت مشکوک بھی ہو، عقلی فیصلوں سے زیادہ قابل اطمینان ہے۔ اجتہاد کی غلطی میں مبتلا ہونا، جھوٹ میں پڑنے سے بہر حال بہتر ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی غلطی کی اصلاح ممکن ہے، لیکن آپ ﷺ سے منسوب ہو کر کسی بات کے مذہب بن جانے کے بعد اصلاح کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ مولانا کے الفاظ ہیں:

> یہ گمان صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے والی بات، اگرچہ اس کی نسبت مشکوک بھی ہو، عقلی فیصلوں سے زیادہ قابل اطمینان ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا اجتہاد کی غلطی میں مبتلا ہونا، جھوٹ میں پڑنے سے بہر حال اہون ہے۔ اجتہاد کی غلطی کی اصلاح ممکن ہے لیکن

---

[32] مولانا اشرف علی تھانوی، انتبہات مفیدہ، 37، 38۔

[33] خطیب احمد بن علی بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، (المدینۃ المنورۃ: دار العلمیہ)، 432۔

آپ ﷺ کی طرف کوئی غلط طور پر منسوب بات مذہب بن گئی تو اس کے فتنے بہت دور تک پہنچیں گے اور ان کی اصلاح کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔[34]

خلاصہ بحث

مولانا اصلاحی کے نزدیک روایت پر تنقید کا معیار چھے کسوٹیاں ہیں، یہی چھے کسوٹیاں وہ اساسی اصول ہیں جن کو اپنا کر حدیث کے صحیح وسقیم کو بآسانی پہچانا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی حدیث ان معیارات پر نہیں اترتی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان چھے کسوٹیوں یا معیارات کے مطابق: [1] کسی روایت کو اہل ایمان اور اصحاب معرفت کا ذوق قبول کرنے سے انکار کر دے اس کو ترک کر دیا جائے گا۔ [2] ایک روایت شاذ بھی ہو اور عمل معروف کے بھی خلاف ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ [3] قرآن مجید کے کسی بھی پہلو کے خلاف آنے والی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ [4] سنت معلومہ کے خلاف آنے والی روایت کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ [5] ایک عقل کلی کسی فیصلے پر پہنچے لیکن روایت اس کے خلاف ہو تو روایت کو چھوڑ دیا جائے گا۔ [6] دلیل قطعی کے خلاف آنے والی روایت کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

[34] مبادی تدبر حدیث، 74، 75۔